نیلم احمد بشیر کے افسانوں میں شہری زندگی کی جمالیات اور معنوی جہتیں

Neelum Ahmed Bashir's Short Stories: Aesthetic Dimensions and Meaningful Aspects of Urban Life

ڈاکٹر عامر رشید

اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ اُردو / وائس پرنسپل، گورنمنٹ ایسوسی ایٹ کالج، کوٹ رادھا کشن، قصور

This study examines the aesthetic dimensions and the deeper meanings of urban life as portrayed in the short stories of Neelum Ahmed Bashi. Her fiction presents the modern city not merely as a physical space but as a complex symbolic and psychological landscape where individual consciousness, social fragmentation, and emotional alienation intersect. Through subtle imagery, symbolic settings, and an introspective narrative voice, Neelum Ahmed Bashir captures the tensions of urban existence—loneliness amidst crowds, fractured relationships, gendered experiences, and the loss of traditional values in a rapidly changing environment. The study highlights how urban aesthetics in her stories emerge from everyday scenes, silence, and internal monologues, transforming ordinary experiences into meaningful artistic expressions. Furthermore, the paper explores how the city becomes a metaphor for existential anxiety and self-discovery, allowing the writer to articulate deeper human concerns within a modern socio-cultural framework. The research concludes that Neelum Ahmed Bashir's short stories offer a nuanced and artistically rich portrayal of urban life, combining aesthetic sensitivity with profound semantic depth.

Keywords: Urban Life, Aesthetics, Meaningful Dimensions, Urdu Short Story, Neelum Ahmed Bashir, Modern Sensibility, Symbolism

نیلماحمد بشیر معاصر اردو افسانہ نگاری میں ایک نمایاں نام ہیں جن کے افسانوں میں فرد اور سماج کے باہمی تعلقات کو نہایت باریک بینی اور حقیقت نگاری کے ساتھ پیش کیا گیا ہے۔ ان کی کہانیوں میں فرد کی داخلی کیفیات، نفسیاتی کشمکش اور وجودی سوالات اس انداز میں سامنے آتے ہیں کہ وہ قاری کو براہ راست اپنی گرفت میں لے لیتے ہیں۔ دوسری جانب ان کے افسانے سماج کی جکڑ بندیوں، رائج روایتوں، طبقاتی تضادات، صنفی امتیاز اور بدلتے ہوئے معاشرتی رویّوں کی بھرپور عکاسی کرتے ہیں۔ نیلم احمد بشیر کی افسانہ نگاری دراصل فرد اور سماج کے درمیان جاری اس مسلسل جدلیاتی کشمکش کا بیانیہ ہے جس میں ذاتی آزادی اور اجتماعی اقدار آمنے سامنے آتی ہیں۔ ان کی تحریروں میں عورت کی داخلی کرب، سماجی ناہمواری اور معاشرتی ناانصافی جیسے موضوعات نمایاں ہیں جو افسانوں کو محض ادبی تخلیق نہیں بلکہ سماجی دستاویز کا درجہ بھی عطا کرتے ہیں۔ یہی پہلو ان کے فن کو عصری اردو افسانے میں ایک منفرد اور قابلِ مطالعہ مقام عطا کرتا ہے۔ اردو افسانہ اپنی ابتدا ہی سے فرد اور سماج کے باہمی تعلقات اور ان کے درمیان پیدا ہونے والے تضادات کی عکاسی کرتا رہا ہے۔ پریم چند کے افسانوں سے لے کر عصری افسانہ نگاروں تک، ہر دور میں افسانہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کا آئینہ دار رہا ہے۔ اسی روایت کو آگے بڑھانے والوں میں نیلم احمد بشیر ایک نمایاں نام ہیں۔ ان کی افسانہ نگاری فرد اور سماج کے مسائل کی حقیقی اور غیر جانب دارانہ عکاسی کرتی ہے۔ ان کی کہانیوں میں فرد کی داخلی دنیا اور سماجی جبر کے درمیان جو کشمکش پیدا ہوتی ہے، وہ ان کے فن کا بنیادی سرمایہ ہے۔ نیلم احمد بشیر ایک ایسے ادبی اور علمی ماحول میں پروان چڑھیں جہاں تخلیقی اظہار کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اس پس منظر نے ان کی شخصیت اور فن دونوں کو جلا بخشی۔ ان کی کہانیوں کا مطالعہ یہ واضح کرتا ہے کہ وہ محض افسانہ نگار نہیں بلکہ ایک حساس مشاہدہ رکھنے والی سماجی نقاد بھی ہیں۔ ان کے افسانوں میں داخلی کیفیات کی گہرائی اور خارجی حالات کی عکاسی بیک

وقت جلوہ گر ہوتی ہے، جو ان کی انفرادیت کو اجاگر کرتی ہے۔ ان کے افسانوں میں فرد کے مسائل کو بڑی باریک بینی سے پیش کیا گیا ہے۔ کردار اکثر اپنی شناخت، مقام اور وجود کی تلاش میں سرگرداں نظر آتے ہیں۔ کبھی وہ نفسیاتی دباؤ کا شکار دکھائی دیتے ہیں اور کبھی سماجی رویوں کے ہاتھوں اپنی خواہشات کو قربان کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ یہ داخلی کشمکش قاری کو نہ صرف کردار کی زندگی سے قریب کرتی ہے بلکہ انسانی وجود کی پیچیدگیوں پر بھی روشنی ڈالتی ہے۔ سماج کے مسائل بھی ان کے فن میں اتنی ہی شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ طبقاتی تضادات، غربت اور امارت کا فرق، رائج سماجی رسوم، صنفی امتیاز اور ناانصافیاں ان کے افسانوں کے بنیادی موضوعات ہیں۔ نیلم احمد بشیر ان مسائل کو محض بیان کرنے پر اکتفا نہیں کرتیں بلکہ ان پر تنقیدی نگاہ ڈالتی ہیں۔ ان کے ہاں سماج ایک فعال قوت ہے جو فرد کی آزادی کو محدود کرتا ہے، لیکن فرد کی خواہشات اور خودی کی تلاش سماجی دباؤ سے ٹکرا کر نئی صورت حال پیدا کرتی ہے۔ نیلم احمد بشیر نے اپنے افسانوں میں عورت کی شخصیت کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ ان کے کرداروں میں عورت محض مظلوم اور محکوم پیکر نہیں بلکہ ایک بااختیار وجود کے طور پر بھی سامنے آتی ہے۔ وہ عورت کی داخلی کیفیات، اس کی خواہشات، جدوجہد اور کرب کو حقیقت پسندانہ انداز میں پیش کرتی ہیں۔ عورت کی انفرادی شناخت اور مقام کو اجاگر کرنا ان کی افسانہ نگاری کا نمایاں وصف ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی کہانیاں نسائی ادب کے اہم سرمایہ میں شمار ہوتی ہیں۔

ان کے افسانوں میں ایک گہرا عصری شعور جھلکتا ہے۔ جدید انسان کی تنہائی، رشتوں کی بکھرتی ہوئی اقدار، تیز رفتار زندگی کے تقاضے اور انسان کے اندر بڑھتی ہوئی اجنبیت کو انہوں نے نہایت فنکارانہ انداز میں پیش کیا ہے۔ ان کے افسانے نہ صرف ادبی تخلیقات ہیں بلکہ سماج کے بدلتے ہوئے رویوں اور مسائل کی جیتی جاگتی تصویریں بھی ہیں۔ نیلم احمد بشیر کی افسانہ نگاری اس بات کی دلیل ہے کہ ادب محض جمالیاتی لذت یا تفریح کا ذریعہ نہیں بلکہ انسانی زندگی کے حقیقی مسائل کو اجاگر کرنے کا ایک موثر وسیلہ بھی ہے۔ ان کی کہانیاں فرد اور سماج کے تعلقات کو ایک نئے زاویے سے دیکھنے اور سمجھنے کا موقع فراہم کرتی ہیں۔ یہی ان کے فن کی اصل معنویت اور اہمیت ہے۔

نیلم احمد بشیر دورِ حاضر کی معتبر اور نمایاں خواتین افسانہ نگاروں میں شمار کی جاتی ہیں۔ انہوں نے اپنے قلم کے ذریعے اردو ادب میں ایک منفرد مقام بنایا ہے۔ بطور افسانہ نگار ان کے اب تک پانچ افسانوی مجموعے شائع ہو چکے ہیں جن میں "گلابوں والی گلی ," "جگنوؤں کے قافلے" , "لے سانس بھی آہستہ" , "ایک تھی ملکہ "اور "وحشت ہی سہی "شامل ہیں۔ ان مجموعوں نے نہ صرف قارئین میں مقبولیت حاصل کی بلکہ نقادوں کو بھی متوجہ کیا۔ ان کی کہانیوں میں زندگی کی حقیقتیں، فرد کی نفسیاتی پیچیدگیاں اور سماجی تضادات بڑی فنکارانہ باریکی کے ساتھ پیش کیے گئے ہیں۔ معروف افسانہ نگار ہونے کے ساتھ ساتھ نیلم احمد بشیر کا شمار صفِ اول کی خاکہ نگاروں، ناول نگاروں، سفر نامہ نگاروں، شاعرات، نقادوں اور محققین میں بھی کیا جاتا ہے۔ یہ ہمہ جہت شخصیت دراصل ان کے فکری اور تخلیقی تنوع کی غماز ہے۔ ان کے افسانے حقیقت نگاری اور عصری شعور کے آئینہ دار ہیں، ان کے ناول انسانی رشتوں اور زندگی کی پیچیدگیوں کو اجاگر کرتے ہیں، ان کے خاکے زندہ اور جیتے جاگتے کرداروں کی عکاسی کرتے ہیں جبکہ ان کا تحقیقی و تنقیدی کام ان کی علمی بصیرت کو ظاہر کرتا ہے۔ ادب کے ساتھ ان کی گہری دلچسپی اور والہانہ وابستگی کی ایک بڑی وجہ ان کا ایک فنکار اور ادبی گھرانے سے تعلق ہے۔ نیلم احمد بشیر معروف صحافی، فلم ساز اور مصنف احمد بشیر کی بڑی صاحبزادی ہیں۔ ان کی ادبی تربیت میں ان کے والد کا کردار بہت اہم ہے۔ ان کی پھوپھی پروین عاطف بھی اردو ادب کی ایک معتبر ادیبہ رہی ہیں، جب کہ ان کی بہنیں سنبل شاہد

(مرحومہ)، بشریٰ انصاری اور اسماء عباس فنونِ لطیفہ سے وابستہ رہیں۔ یوں کہا جا سکتا ہے کہ نیلم احمد بشیر نے ایک ایسے علمی اور تخلیقی ماحول میں آنکھ کھولی جہاں فنونِ لطیفہ اور ادب کو قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔

اسی ماحول نے ان کے اندر تخلیقی جوہر کو نکھارنے اور مضبوط کرنے میں بنیادی کردار ادا کیا۔ احمد بشیر کی صاحبزادی ہونے کے ناطے نیلم کو ابتدا ہی سے ممتاز مفتی اور ابن انشا جیسی نامور شخصیات کی قربت اور حوصلہ افزائی میسر آئی۔ یہی ادبی و تخلیقی شخصیات ان کے لیے محرک اور معاون ثابت ہوئیں۔ تاہم یہ بات بھی اہم ہے کہ نیلم احمد بشیر نے کسی مخصوص ادبی تحریک، رجحان یا شخصیت کی تقلید نہیں کی بلکہ اپنی الگ اور منفرد شناخت قائم کی۔ ان کی تخلیقات اس بات کی شاہد ہیں کہ وہ خود اپنی راہ بنانے والی فنکارہ ہیں جنھوں نے اپنے فن کو اپنی داخلی آواز اور ذاتی تجربے کے مطابق پروان چڑھایا۔ اگرچہ نیلم احمد بشیر نے کسی تحریک یا رجحان کی براہِ راست پیروی نہیں کی، تاہم ان کے افسانوں میں سماج کے مظلوم اور مجبور طبقات کے حق میں آواز بلند کی گئی ہے۔ وہ ان کرداروں کی زبان بنی ہیں جو سماجی جبر اور ناانصافی کے خلاف سراپا احتجاج ہیں۔ ان کے ہاں استحصالی عناصر کے خلاف شدید ردعمل اور بغاوت کا جذبہ بھی نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ یہی پہلو ان کے فن کو ترقی پسند ادب کے ساتھ جوڑتا ہے۔ لیکن ان کی ترقی پسندی محض نعرہ نہیں بلکہ ایک داخلی سچائی اور تخلیقی صداقت ہے جو ان کے افسانوں کو مزید مؤثر اور حقیقت نگارانہ بناتی ہے۔

یوں نیلم احمد بشیر کی شخصیت اور فن کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ نہ صرف عصرِ حاضر کی ایک اہم افسانہ نگار ہیں بلکہ اردو ادب کی ایک ہمہ جہت تخلیق کار بھی ہیں۔ ان کے افسانے اور دیگر ادبی اصناف میں کی گئی کاوشیں فرد اور سماج کے مسائل کو اجاگر کرنے کے ساتھ ساتھ قاری کو سوچنے اور محسوس کرنے پر بھی مجبور کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نیلم احمد بشیر کا فن آج کے اردو ادب میں نہ صرف ایک زندہ حوالہ ہے بلکہ آنے والے وقت کے لیے بھی ایک روشن روایت کی حیثیت رکھتا ہے۔

نیلم بشیر مضبوط اعصاب کی ایک حوصلہ مند خاتون ہیں جو حالات کا مقابلہ کرنا خوب جانتی ہیں۔ وہ پرانے زمانے کی مردہ عورت نہیں بلکہ ایک باشعور اور سلجھی ہوئی عورت ہیں جو اپنے گردوپیش پر گہری نظر رکھتی ہیں۔ وہ چونکہ امریکہ بھی جاتی رہتی ہیں اس لیے نہ صرف پاکستانی بلکہ امریکی معاشرے کے حالات و واقعات اور بدلتے ہوئے تقاضوں کے پیش نظر سماجی رویوں کا گہرا شعور بھی رکھتی ہیں۔ انہوں نے زندگی اور حالات سے بہت کچھ سیکھا ہے اور اپنے تجربات و مشاہدات کو بلا جھجک اپنی تحریروں میں بڑی بے ساختگی سے پیش کیا ہے۔ نیلم بشیر نے اردو افسانے کو نہ صرف نیا اسلوب اور نیا آہنگ عطا کیا ہے بلکہ ان کے افسانوں میں جدتِ تخیل بھی نمایاں ہے۔ ان کے افسانے فن کے ساتھ ساتھ فکری اور نظریاتی اعتبار سے اردو ادب میں نمایاں مقام رکھتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں موضوعات کا تنوع اور رنگارنگی نمایاں نظر آتی ہے۔ انہوں نے سماجی و معاشرتی ناہمواریوں، سیاست، مشرقی اقدار، مرد وخواتین کے خانگی مسائل اور مساوی حقوق، امریکہ کی طرزِ معاشرت، مغرب میں جا کر بسنے والے افراد کی زندگی اور ان کو درپیش مسائل پر بہترین افسانے تخلیق کیے ہیں۔ اپنے والد احمد بشیر کی طرح نیلم کا بے باک قلم سماجی حقائق کو بے نقاب کرنے میں کوئی جھجک محسوس نہیں کرتا۔

امریکہ میں وقت گزارنے کے باوجود ان کی شخصیت اور کردار و گفتار سے بھرپور مشرقیت جھلکتی ہے۔ عورت اور خصوصاً پاکستانی عورت کے حقوق کے لیے آواز اٹھانا، ان کے مفادات کا تحفظ کرنا، ان میں جرأت و حوصلہ پیدا کرنا، سماجی رویوں پر باغیانہ ردِعمل اور احتجاج ان کی تحریروں میں نمایاں ہے۔ نیلم بشیر کے افسانوں کا سب سے نمایاں موضوع عورت ہے۔ انہوں نے ہر طبقہ کی عورت کو اپنے افسانوں میں مرکزی کردار کے طور پر پیش کیا ہے۔ ان افسانوں میں عورت کے خانگی، جنسی اور نفسیاتی مسائل اور

اس کے جذبات واحساسات کو بڑی خوبی سے اجاگر کیا گیا ہے۔ عورت اور محبت لازم وملزوم ہیں۔ نیلم نے اگرچہ عورت کی محبت پر زیادہ افسانے نہیں لکھے لیکن جو افسانے اس موضوع پر لکھے ہیں، ان میں عورت کو سراپا اخلاص و قربانی کا مجسمہ دکھایا ہے جو ہر حال میں وفاداری نبھاتی ہے۔ اس کی عمدہ مثال نیلم بشیر کا افسانہ "پریم دیوانی" ہے جس میں عظمیٰ کو ایک ہنس مکھ، لاابالی اور شوخ و چنچل لڑکی کے روپ میں دکھایا گیا ہے۔ نوجوانی میں کئی لڑکوں سے دل لگی کرنے کے بعد جب وہ واقعی کسی کی محبت میں گرفتار ہو جاتی ہے تو پھر اس کی غربت اور بے کاری کے باوجود اس سے شادی کر لیتی ہے۔ صحت کی خرابی کے باعث ڈاکٹروں کے منع کرنے کے باوجود ساس کے طعنوں سے تنگ آکر بچہ پیدا کرنے کا خطرہ مول لیتی ہیں تو فالج کے حملے سے معذور ہو جاتی ہے اور بچہ بھی مر جاتا ہے۔ غربت و افلاس کے باوجود عظمیٰ اپنا گھر بچانے کی جدوجہد کرتی رہتی ہے۔ ایک دن بیماری کی حالت میں ساس اور شوہر ہسپتال میں چھوڑ کر چلے جاتے ہیں اور اسے مجبوراً ہمیشہ کے لیے والدین کے گھر آنا پڑتا ہے۔ نیلم کے ہاں عورت کا تعلق خواہ کسی بھی طبقہ سے ہو، اس کا استحصال کسی نہ کسی صورت جاری ہے۔ ان کے افسانہ "پرندے" میں ایک ایسی خوبصورت نوجوان لڑکی کی کہانی بیان ہوئی ہے جس کی شادی ایک ستر سالہ پٹھان بوڑھے سے کر دی جاتی ہے۔ کچھ عرصہ بعد وہ اس بے جوڑ اور جبری بندھن سے دلبر داشتہ ہو کر بھاگ جاتی ہے۔ اس کہانی میں یہ معاشرتی حقیقت بیان ہوئی ہے کہ عورت جب استحصال کے ردعمل میں بغاوت پر اتر آتی ہے تو کسی پرندے کی طرح اڑان بھر دیتی ہے۔ افسانہ "عام لڑکی" میں جس معاشرتی مسئلہ کو موضوع بنایا گیا ہے وہ عموماً پسماندہ علاقوں میں وقوع پذیر ہوتا ہے جہاں قرابت داری کو مقدم رکھتے ہوئے بچپن میں ہی رشتے طے کیے جاتے ہیں۔ پھر جب بچے شعور کی دنیا میں قدم رکھتے ہیں تو بڑوں کے غیر منطقی فیصلوں کے سبب یا تو بغاوت پر اتر آتے ہیں یا اس رشتے کو نبھانے کے لیے سمجھوتہ کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔

افسانہ "عام لڑکی" میں فریدہ نامی لڑکی کی کہانی بیان ہوئی ہے جسے جذبات سے عاری ایک بے حس اور عام لڑکی سمجھ کر اس کے بچپن کا منگیتر امریکہ سے واپس آنے کے بعد شادی سے انکار کرنے کا فیصلہ کرتا ہے۔ یہ عام لڑکی اسے یہ کہہ کر حیران کر دیتی ہے کہ وہ بھی اس سے شادی نہیں کرنا چاہتی۔

> "دراصل میں کسی اور کو اپنی زندگی کا ساتھی بنانا چاہتی ہوں۔ دیکھیں ناں، جب تک ذہنی ہم آہنگی نہ ہو، دو انسانوں کی زندگی اچھی نہیں گزر سکتی۔ اور آپ کو تو، معاف کیجیے، میں نے کبھی اس انداز میں آپ کے بارے میں سوچا اور محسوس کیا ہی نہیں تھا۔" (۱)

نفسیات کی طالبہ ہونے کی بنا پر نیلم بشیر کرداروں کے خارجی اور باطنی طرزِ عمل اور نفسیات کا گہرا مطالعہ رکھتی ہیں۔ معاشرتی رویوں کی وجہ سے عورتوں کی ذہنی کیفیات بدلتی رہتی ہیں جس کے سبب خواتین کے موضوع پر لکھی جانے والی کہانیوں کا رخ بھی تبدیل ہوتا رہتا ہے۔ معاشرتی رویوں اور عورتوں کی نفسیات سے واقفیت کی بنا پر نیلم بشیر نے عورتوں کے جذبات اور رویوں کی عکاسی بڑے بھرپور انداز میں کی ہے۔ انہوں نے اپنے افسانوں میں بڑی خوبی سے یہ نکتہ واضح کیا ہے کہ بعض عورتیں کسی بھی صورت مرد کے تسلط اور ظلم کو برداشت نہیں کر پاتیں اور اپنی محرومی کے احساس سے وہ کبھی کبھار غیر اخلاقی رویے اپنانے پر مجبور ہو جاتی ہے جس کا نتیجہ المناک حادثات کی صورت میں نکلتا ہے۔ لیکن ایسی عورتیں بھی ہمارے معاشرے کا حصہ ہیں جو اپنے حقوق سے دستبردار ہو کر کسی نہ کسی طرح حالات سے سمجھوتہ کر لیتی ہیں اور اپنی خواہشات کو دبا کر متوازن زندگی گزارنے کی کوشش میں لگی رہتی ہیں۔ اس کی ایک مثال نیلم بشیر کا افسانہ "اپنی اپنی مجبوری" ہے جس میں ایک عورت کا شوہر اس کے ساتھ نہایت سختی سے پیش آتا ہے لیکن اس

کے باوجود عورت دل و جان سے اس کی خدمت کرتی ہے اور اس کے سرد رویے کو خندہ پیشانی سے برداشت کرتی ہے۔ دل کے ہاتھوں مجبور ہونے کے سبب وہ اپنے ٹھکرائے جانے اور اپنی عزتِ نفس کے مجروح ہونے کو خاطر میں نہیں لاتی اور اپنی وفاداری نبھاتے ہوئے اپنے شوہر کو خوش رکھنے کی فکر میں لگی رہتی ہے۔

نیلم احمد بشیر کو سماجی حقیقت نگار افسانہ نگار کے طور پر جانا جاتا ہے۔ وہ انسانی زندگی کے مختلف پہلوؤں کو بڑی بے باکی اور سچائی کے ساتھ پیش کرنے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ چونکہ وہ سماج کے جبر اور فرد کی داخلی کشمکش کو براہِ راست موضوع بناتی ہیں، اس لیے انہوں نے اپنے افسانوں میں جنس جیسے نازک اور حساس موضوع پر بھی کھل کر قلم اٹھایا ہے۔ نیلم احمد بشیر کے نزدیک جنس محض ایک حیاتیاتی ضرورت نہیں بلکہ انسانی وجود کا ایک ایسا پہلو ہے جو فرد کی شخصیت، رشتوں اور سماجی رویّوں پر گہرے اثرات مرتب کرتا ہے۔ اگرچہ اس موضوع پر نیلم سے پہلے سعادت حسن منٹو اور عصمت چغتائی جیسے بڑے افسانہ نگار بھی لکھ چکے ہیں، تاہم نیلم احمد بشیر نے اسے ایک مختلف زاویے سے پیش کیا ہے۔ منٹو نے جنس کو سماجی منافقت، اخلاقی تضادات اور معاشرتی جبر کے تناظر میں دکھایا جبکہ عصمت چغتائی نے عورت کے احساسات اور جذبات کو بے لاگ انداز میں بیان کیا۔ نیلم احمد بشیر کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ نہ صرف ان دونوں کی روایت کو آگے بڑھاتی ہیں بلکہ اس میں جدت اور تنوع بھی پیدا کرتی ہیں۔ ان کا اسلوب زیادہ داخلی، نفسیاتی اور نسائی تجربات پر مبنی ہے، جس میں عورت کی جسمانی اور روحانی ضرورتوں کا ادراک زیادہ شدت کے ساتھ ملتا ہے۔

نیلم احمد بشیر کے افسانوں میں عورت کو محض مظلوم یا محکوم دکھانے کے بجائے ایک ایسے انسان کے طور پر پیش کیا گیا ہے جو اپنی خواہشات اور ضروریات کے حوالے سے حساس بھی ہے اور باشعور بھی۔ ان کی کہانیوں میں عورت اپنی جنسی ضرورتوں اور ان سے پیدا ہونے والے مسائل کا ادراک رکھتی ہے اور اکثر ان کے اظہار کے لیے جدوجہد بھی کرتی ہے۔ اس پہلو نے ان کے افسانوں کو نہ صرف عصری معنویت بخشی ہے بلکہ اردو افسانے کی روایت میں ایک نئے باب کا اضافہ بھی کیا ہے۔ نیلم کے ہاں جنس کا بیان فحاشی یا محض سنسنی خیزی کے لیے نہیں بلکہ ایک گہری حقیقت کے اظہار کے طور پر سامنے آتا ہے۔ وہ اس موضوع کے ذریعے ان معاشرتی اور نفسیاتی رویّوں کو اجاگر کرتی ہیں جو عورت کی زندگی کو محدود کرتے ہیں اور اسے اپنے وجود کی تکمیل سے محروم رکھتے ہیں۔ ان کے نزدیک عورت کا جنسی وجود اس کی شناخت اور شخصیت کا ایک لازمی حصہ ہے، جسے نظر انداز کرنا دراصل عورت کے مکمل وجود سے انکار کے مترادف ہے۔

یوں کہا جاسکتا ہے کہ نیلم احمد بشیر نے اپنے افسانوں میں جنس کو محض ایک حیاتیاتی یا جسمانی مسئلہ نہیں سمجھا بلکہ اسے فرد اور سماج کے درمیان موجود تضادات اور کشمکش کے تناظر میں پیش کیا۔ یہی وجہ ہے کہ ان کا فن نہ صرف ماضی کے بڑے افسانہ نگاروں کی روایت سے جڑا ہوا ہے بلکہ اپنی انفرادیت اور جدت کے سبب ایک نئی جہت کا حامل بھی ہے۔۔ ڈاکٹر نورین رزاق اس حوالے سے لکھتی ہیں:

> "نیلم احمد بشیر کا شمار جنسی حقیقت نگاروں میں کیا جاتا ہے۔ وہ عورت کی جذباتی، نفسیاتی اور جنسی ضرورتوں کو خاص طور پر اپنا موضوع بناتی ہیں۔ ان کا خصوصی موضوع مرد و زن کی فطرت اور نفسیات کا فرق بیان کرنا ہے۔"(۲)

افسانوں میں سماجی حقیقت نگاری کے ساتھ ساتھ انسانی نفسیات کی گہرائیوں تک رسائی کا عنصر نمایاں دکھائی دیتا ہے۔ افسانہ **"غمِ ہستی "** اسی رویے کی ایک بہترین مثال ہے۔ اس کہانی میں مرکزی کردار ایک خاتون پروفیسر ہے جس کی زندگی شادی جیسے فطری

تقاضے سے محروم رہنے کی وجہ سے شدید نفسیاتی اور جنسی الجھنوں کا شکار ہو جاتی ہے۔ یہ داخلی کرب اور ادھورے پن کی کیفیت آخر کار اسے کومہ کی حالت تک لے جاتی ہے۔ اس کردار کے ذریعے نیلم نے عورت کی زندگی میں ازدواجی اور جنسی تسکین کی اہمیت کو نہایت باریک بینی سے اجاگر کیا ہے۔ دوسری طرف اس کہانی میں ایک لیب ٹیکنیشن کا کردار بھی سامنے آتا ہے جو گھٹن زدہ سماجی فضا کے رد عمل کے طور پر حیوانی جبلت کے غلبے کا مظاہرہ کرتا ہے۔ یوں یہ کہانی فرد اور معاشرے دونوں سطحوں پر جنسی ناآسودگی کے نفسیاتی اور سماجی مضمرات کو پیش کرتی ہے۔ نیلم کے نزدیک جنسی ضرورت کو دبانا یا اس کی تسکین کے مواقع سے محروم رکھنا انسان کو غیر متوازن کر دیتا ہے اور اسی عدم توازن سے معاشرتی بگاڑ جنم لیتا ہے۔

اسی طرح نیلم احمد بشیر نے اپنے افسانوں میں معاشی مسائل اور ان کے نتیجے میں پیدا ہونے والی معاشرتی و اخلاقی خرابیوں پر بھی کڑی نظر ڈالی ہے۔ ان کے نزدیک مشرق ہو یا مغرب، معاشی مشکلات انسان کی زندگی کو یکساں طور پر متاثر کرتی ہیں۔ یہ مشکلات نہ صرف روزمرہ کی زندگی کو اجیرن بناتی ہیں بلکہ انسانی کردار، اخلاقی اقدار اور سماجی رویوں کو بھی بدل کر رکھ دیتی ہیں۔ پیٹ کی بھوک اور دولت کی ہوس انسان کو اس نہج پر لے جاتی ہے جہاں جائز و ناجائز کی تمیز ختم ہو جاتی ہے۔ ان کے افسانوی مجموعے **"لے سانس بھی آہستہ "** کی کہانی **"گل پھینکے ہیں "** اس حقیقت کو پوری شدت کے ساتھ سامنے لاتی ہے۔ اس کہانی میں ایک وردی پوش سپاہی کا رویہ انسانی بے حسی اور مادہ پرستی کی انتہائی شکل کی عکاسی کرتا ہے۔ سپاہی ایک حادثے کے نتیجے میں کچلے جانے والے خون آلود بچے کی جان بچانے یا اس پر ترس کھانے کے بجائے اس کے ہاتھ پر بندھی گھڑی اتار کر جیب میں ڈال لیتا ہے۔ یہ منظر محض ایک سپاہی کا عمل نہیں بلکہ پورے معاشرتی رویے کا استعارہ ہے جو دولت اور مفاد پرستی کی دوڑ میں انسانی ہمدردی اور اخلاقیات کو پس پشت ڈال دیتا ہے۔

نیلم احمد بشیر نے اپنے افسانوں میں قیامِ پاکستان اور اس کے پس منظر میں رونما ہونے والے فسادات اور ہجرت کے واقعات کو بھی موضوع بنایا ہے۔ یہ وہ دور تھا جب لاکھوں انسان بے گھر ہوئے، خاندان ٹوٹ پھوٹ کا شکار ہوئے اور خاص طور پر عورتیں سب سے زیادہ مظالم اور جنسی استحصال کا نشانہ بنیں۔ اردو ادب میں سعادت حسن منٹو، راجندر سنگھ بیدی اور کرشن چندر جیسے افسانہ نگاروں نے اس المیے کو مختلف زاویوں سے پیش کیا، لیکن نیلم کا انداز اس سے مختلف اور قدرے انفرادی ہے۔ ان کا افسانہ **"قیمتی"** (مجموعہ " وحشت ہی سہی سے) اسی تناظر میں لکھا گیا ہے۔ اس کہانی میں وہ ایک خاکروب کے کردار کو سامنے لاتی ہیں جو ریلوے اسٹیشن پر خدمات سرانجام دیتا ہے۔ اس خاکروب کی محبت کی کہانی بظاہر بڑی سادہ محسوس ہوتی ہے مگر پس منظر میں ہجرت کے فسادات اور عورتوں کی عصمت دری جیسے المیے کو نہایت دردناک انداز میں اجاگر کرتی ہے۔ نیلم نے اس کہانی میں یہ دکھایا ہے کہ کس طرح سب سے نچلے طبقے سے تعلق رکھنے والا ایک خاکروب بھی محبت اور قربانی کے جذبات رکھتا ہے، مگر فسادات کی آگ اور سماجی بربادی ان جذبات کو بھی مسخ کر دیتی ہے۔ اس افسانے میں ایک طرف مظلوم طبقے کی محرومیاں اور دوسری طرف ہجرت کے المیے کا المناک پس منظر ایک ساتھ جلوہ گر ہوتا ہے۔

یوں نیلم احمد بشیر کی افسانہ نگاری محض قصہ گوئی نہیں بلکہ ایک سماجی و نفسیاتی دستاویز ہے جس میں فرد اور معاشرے کی پیچیدہ الجھنوں کو بے نقاب کیا گیا ہے۔ ان کی تحریروں میں جنسی، نفسیاتی، معاشی اور طبقاتی مسائل ایک دوسرے سے جڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں اور یہی ربط ان کے افسانوی فن کو عصرِ حاضر کے تقاضوں سے ہم آہنگ بناتا ہے۔ افسانہ معاشرے کے بدلتے ہوئے رجحانات کا آئینہ ہوتا ہے۔ دنیا میں رونما ہونے والے تمام بڑے واقعات ادب میں راہ پاتے ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں اسلامی ممالک دہشت گردی کی لپیٹ میں رہ چکے ہیں۔ اس موضوع پر اردو کے تمام ادیبوں نے مختلف حوالوں سے لکھا ہے۔ نیلم نے بھی اپنے افسانوں میں

مذہب کے نام پر کی جانے والی دہشت گردی اور انتہا پسندی کی پر زور مذمت کی ہے۔ وہ اسے دنیا کے امن اور بقا کے لیے سب سے بڑا خطرہ قرار دیتی ہیں۔ اس حوالے سے "کولمبس کا سفینہ"، "ہست نیست"، "پردہ اٹھتا ہے" اور "پھول میر اوطن" ان کے قابلِ ذکر افسانے ہیں۔ نائن الیون کا واقعہ بھی اپنی نوعیت کا ایک ایسا واقعہ ہے جس نے پوری دنیا اور خصوصاً اسلامی ممالک میں ہلچل مچا دی تھی۔ اردو ادب میں اس واقعہ سے مسلم دنیا کو درپیش مسائل پر بہت سے ادیبوں نے لکھا ہے۔ نیلم کے افسانے "کولمبس کا سفینہ" اور "ہست نیست" اسی موضوع کے مختلف پہلوؤں کی عکاسی کرتے ہیں۔

نیلم نے سیاست کے موضوع پر بھی افسانے لکھے ہیں۔ ان کے ہاں یہ موضوع زیادہ نمایاں نہیں ہے لیکن وہ ملکی سیاست کی اونچ نیچ اور سیاست دانوں کی پالیسیوں سے پوری طرح واقف ہیں۔ افسانہ "ہست نیست" میں پاکستان کی سیاسی فضا میں منفی سوچ کی عکاسی کی گئی ہے۔ اس کہانی میں امریکہ سے آئے ہوئے ایک پاکستانی بچے کے ذریعے عوامی جلسوں میں سیاسی پارٹیوں کے منافقانہ رویے کی بھرپور نشاندہی کی گئی ہے۔ نیلم بشیر نے انسانی رشتوں اور اور ان کی حساسیت، نزاکت اور حالات کے تقاضوں کے مطابق بدلتے ہوئے رویوں کو بھی اپنے افسانوں کا موضوع بنایا ہے۔ "اثاثہ"، "کمرے"، "ناقابلِ معافی" اور "نہ کسی کی آنکھ کا نور" جیسے افسانے اس موضوع کے تناظر میں لکھے گئے ہیں۔

افسانہ "کمرے" ایک ایسے خاندان کی کہانی ہے جس کا سربراہ بچوں کے بہتر مستقبل کے لیے امریکہ میں دن رات محنت کرتا ہے۔ وہ فوری دولت کے حصول کے لیے ایک نام نہاد حادثہ میں اپنی ٹانگیں کٹوا دیتا ہے اور انشورنس کی لاکھوں ڈالر کی رقم لے کر وطن واپس لوٹتا ہے۔ اولاد کی خواہش کے مطابق ایک کوٹھی خرید لیتا ہے۔ دولت کی فراوانی کے سبب گھر میں محبت کے بجائے خود غرضی اور نفسا نفسی ڈیرے جما لیتی ہے۔ اولاد اپنے اپنے مشاغل میں مست رہتی ہے اور ان کے پاس اپنے معذور والد کے لیے وقت ہی نہیں ہوتا۔ حتیٰ کہ ایک دن کہانی کا مرکزی کردار امجد وہیل چیئر اور کمرے کے دروازے کے درمیان بڑی دیر تک معلق رہتا ہے۔ پھر بیوی اور مالی سہارا دے کر وہیل چیئر پر بٹھا دیتے ہیں۔ اس افسانے کے حوالے سے فتح محمد ملک لکھتے ہیں:

> "پیسہ کلچر اپنے ساتھ مادہ پرستی کے فلسفے کے ساتھ ساتھ یہ نظریہ بھی امپورٹ کرتا ہے کہ اپنی ذات سب سے اہم ہے، اور اپنی زندگی سب سے پہلے اہم ہے۔ اپنے کام سے کام رکھنا چاہیے، اور اپنی دنیا میں خود کو خوش رکھنا چاہیے۔"(۳)

معاشرتی رویوں میں تضاد پر نیلم نے متعدد افسانے تخلیق کیے ہیں۔ افسانہ "شریف" اس کی عمدہ مثال ہے۔ اس کہانی میں ایک طوائف مجرے کے بعد ایک کمرے میں اپنے بچے کو ٹیسٹ کی تیاری کرانے کے لیے چلی جاتی ہے۔ تماش بین یہ خیال کرتے ہیں کہ طوائف کسی خاص تماش بین کے ساتھ کمرے میں موجود ہے لیکن جب وہ پردہ سرکا کر دیکھتے ہیں تو طوائف معذرت کرکے بتاتی ہے کہ اسے بچے کو ٹیسٹ کی تیاری کرانی ہے۔ ایک طرف طوائف کو بچے کی اعلیٰ تعلیم و تربیت کی فکر ہے تو دوسری طرف اس کا اپنا کردار اس بات کے منافی ہے۔ اس کہانی میں نیلم نے کوٹھے کی طوائف کا موازنہ اعلیٰ سوسائٹی کی خواتین سے کرتے ہوئے طوائف کو ان سے بہتر تصور کیا ہے۔ اس کہانی کے حوالے سے ڈاکٹر عصمت جمیل لکھتی ہیں:

> "نیلم احمد بشیر "شریف" میں اعلیٰ سوسائٹی کی فیشن ایبل ماڈرن عورت کی مصروفیات اور اس کی کلب لائف کا موازنہ اس طرح دھیرے دھیرے کوٹھے

کی عورت سے کرتی ہے کہ کوٹھے کی عورت اس عورت سے بلند ہوتی نظر آتی ہے۔"(۴)

اس کہانی میں ماڈرن طبقے کی عورت کا کردار بھی تضاد کا شکار ہے اور طوائف کے کردار میں بھی دوغلا پن موجود ہے۔ نیلم بشیر نے امریکہ میں زیادہ وقت گزارا ہے اور اس سوسائٹی اور کلچر کو بہت قریب سے دیکھا ہے۔ وہ وہاں کی طرزِ زندگی اور معاشرت سے پوری طرح واقف ہیں۔ ان کی اکثر کہانیوں میں کسی نہ کسی حوالے سے امریکہ کا ذکر آجاتا ہے۔ اس حوالے سے وہ لکھتی ہیں:

"امریکہ میں چودہ سال رہنے کے بعد اب بھی امریکہ آنا جانا رہتا ہے۔ میں ان معاشروں کا مشاہدہ کرتی ہوں تو بہت سے واقعات خیال بن کر میرے ذہن میں آجاتے ہیں اور پھر کچھ ہی دنوں میں وہی خیال develop ہو کر افسانہ کی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔"(۵)

نیلم نے اپنے کئی افسانوں میں امریکی کلچر پر طنز بھی کیا ہے۔ ان کے افسانوں میں اس آزاد معاشرے کی جنسی بے راہ روی اور اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والے مسائل کی عکاسی بھی ملتی ہے۔ افسانہ "atTre or Trick" میں امریکی کلچر کے تاریک پہلو پر روشنی ڈالی گئی ہے جس میں ایک باپ بیٹی کو باہر نکلنے اور لڑکوں سے دوستی کرنے سے منع کرتا ہے اور بعد میں اسی سخت مزاج باپ سے بیٹی حاملہ ہو جاتی ہے۔ نیلم بشیر نے فرد کی تنہائی کو بھی موضوع بنایا ہے، خصوصاً امریکی معاشرے میں فرد کی تنہائی ایک سماجی المیہ ہے۔ نیلم چونکہ امریکہ میں اکثر قیام پذیر رہتی ہیں اس لیے انہیں اس کا ذاتی تجربہ ہے اور اس موضوع پر انہوں نے متعدد کہانیاں لکھی ہیں۔ ان کا افسانہ "اکیلی" اس کی عمدہ مثال ہے جس میں مرکزی کردار مسز ٹامن دیر تک بیوٹی پارلر میں بیٹھی دوسروں کی باتیں سنتی ہے۔ جب پارلر بند ہونے لگتا ہے تو وہ یہ کہہ کر اٹھ کھڑی ہوتی ہے:

"دراصل میں تو یونہی بیٹھی تھی اس لیے کہ گھر جا کر بھی کیا کرنا ہے۔ وہاں کوئی نہیں ہے اور یہاں تو پھر بھی لوگوں کی باتیں وا تیں سن کر اچھا ٹائم گزر گیا ہے۔" (۶)

نیلم بشیر کے افسانوں میں عصری شعور کی ترجمانی بھی ملتی ہے۔ انہیں روایتی اقدار کی پاسداری کے ساتھ ساتھ دورِ جدید کے تقاضوں کا ادراک بھی ہے۔ اگرچہ امریکی اور یورپی تہذیب کی بعض خوبیوں کے باوجود نیلم وہاں کی اخلاقی اقدار، مادہ پرستی، بے حسی اور خود غرضی سے نالاں ہیں اور مشرقی تہذیب و روایات کی معترف ہیں لیکن دورِ حاضر کی برق رفتار ترقی کے نتیجے میں بدلتی ہوئی مشرقی اقدار کا مشاہدہ کرتے ہوئے عصری شعور بھی رکھتی ہیں۔ احمد پراچہ کے بقول:

"یہ کہنا درست نہیں کہ نیلم احمد بشیر کے سارے افسانے امریکہ کے پس منظر میں لکھے گئے ہیں۔ اس نے پاکستان کے بارے میں خصوصاً عصری زندگی کے بارے میں بہت عمدہ افسانے لکھے ہیں۔"(۷)

نیلم بشیر نے جہاں اپنے افسانوں میں امریکی کلچر اور طرزِ معاشرت کے تاریک پہلوؤں کی نشاندہی کی ہے وہاں بعض کہانیوں میں امریکی معاشرے کے بعض مثبت پہلوؤں کو بھی پیش کیا ہے کہ وہاں لوگ دوسروں کے معاملات میں دخل اندازی نہیں کرتے،

اپنے کام سے کام رکھتے ہیں۔ منافقت، جھوٹ، حسد، بغض جیسی اخلاقی برائیاں ہمارے معاشرے کی نسبت وہاں کم ہیں۔ ڈاکٹر عصمت جمیل اس حوالے سے لکھتی ہیں:

"نیلم نے صرف مغربی سوسائٹی کی خامیاں ہی تلاش نہیں کیں بلکہ اپنے گریبان میں بھی جھانکا ہے۔"(۸)

نیلم احمد بشیر نے اپنے افسانوں میں عصرِ حاضر کی معاشرتی اور معاشی حقیقتوں کو نہایت بے باکی کے ساتھ پیش کیا ہے۔ وہ اس حقیقت کی طرف اشارہ کرتی ہیں کہ آج کا انسان خواہ مشرق میں ہو یا مغرب میں، اپنی معاشی ضروریات اور مادی آسائشوں کے حصول کے لیے اس حد تک بے چین ہے کہ اس نے اخلاقی اقدار اور روایات کو پسِ پشت ڈال دیا ہے۔ اب حلال و حرام، جائز و ناجائز اور اخلاقی و غیر اخلاقی کی تمیز بتدریج مٹتی جا رہی ہے۔ دولت اور آسائش کے حصول کی دوڑ میں معاشرتی اقدار کو پامال کرنا کسی کے نزدیک معیوب نہیں رہا۔ نیلم نے اس تلخ حقیقت کو اپنے کئی افسانوں میں براہِ راست موضوع بنایا ہے۔ ان کے افسانے **"کمرے"**, **"انجوائے یور ڈنر"**, **"روز ڈیل کی روزی"**, **"انتظارِ بہار"** اور **"شجر سایہ دار"** اسی رجحان کے مختلف پہلوؤں کی نمائندگی کرتے ہیں۔ ان کہانیوں میں وہ دکھاتی ہیں کہ کس طرح مادی خواہشات کے بوجھ تلے انسان اپنی اخلاقیات اور اقدار کو قربان کر دیتا ہے اور سماج کی جڑیں کمزور ہوتی جاتی ہیں۔

افسانہ **"انجوائے یور ڈنر"** اس حوالے سے خاص اہمیت رکھتا ہے۔ اس میں مرکزی کردار عثمان ہے جو سٹوڈنٹ ویزا پر امریکہ جاتا ہے اور پیزا ہوم ڈیلیوری کا کام کرتا ہے۔ اس کی زندگی کی کہانی دراصل پردیس میں رہنے والے ہزاروں نوجوانوں کی ترجمانی ہے جو معمولی ملازمتوں سے گزر بسر کرتے ہیں اور اپنی اجرت کا بڑا حصہ وطن میں موجود اپنے خاندان کو بھیجتے ہیں۔ عثمان بھی اپنی تنخواہ والدین کے لیے بھیجتا ہے جبکہ خود اپنی گزر بسر ٹپ کی رقم سے کرتا ہے۔ ایک دن وہ ایک ایسے تجربے سے گزرتا ہے جو اس کی سوچ بدل دیتا ہے۔ ایک شخص ناقص کھانے کا کلیم کرتا ہے تو ریستوران اس کی شکایت پر اسے نیا اور من پسند کھانا فراہم کر دیتا ہے۔ عثمان اس موقع کو ایک "چال" کے طور پر استعمال کرتا ہے اور پھر مختلف ریستورانوں سے اسی طریقے سے مفت کھانے حاصل کرنے لگتا ہے۔ اس رویے سے ظاہر ہوتا ہے کہ انسان کس طرح اپنی معاشی ضرورتوں کے دباؤ میں "اخلاقی اقدار" کی حدود توڑنے لگتا ہے اور ناجائز راستوں کو بھی اپنے لیے جائز سمجھنے لگتا ہے۔ اس کہانی میں نیلم نے مغربی معاشرت کے پس منظر میں مشرقی نوجوان کے رویے کو اس طرح پیش کیا ہے کہ قاری کے سامنے ایک بڑی سماجی حقیقت واضح ہو جاتی ہے۔

نیلم احمد بشیر کا زاویۂ نگاہ محض پاکستانی یا امریکی معاشرے تک محدود نہیں بلکہ وہ ایک وسیع تر تناظر میں پوری دنیا کی تہذیب و ثقافت کو اپنے موضوعات میں سمیٹتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی تحریروں میں بین الاقوامی مسائل اور عالمی انسانی المیے بھی بڑی شدت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ افسانہ **"اثاثہ"** اس بات کی روشن مثال ہے۔ یہ کہانی صومالیہ کی قحط زدگی اور بھوک کی شدت سے جوجھتے انسانوں پر مبنی ہے۔ اس افسانے میں دکھایا گیا ہے کہ کس طرح لوگ اقوامِ متحدہ کی جانب سے قائم کردہ امدادی مراکز تک پہنچنے کے لیے چالیس دنوں کا صحرائی سفر طے کرتے ہیں، مگر بیشتر لوگ بھوک اور پیاس کی شدت سے راستے ہی میں دم توڑ دیتے ہیں۔ یہ کہانی نہ صرف افریقی معاشروں کی المناک تصویر پیش کرتی ہے بلکہ عالمی طاقتوں اور اداروں کی بے حسی کو بھی بے نقاب کرتی ہے۔ اسی طرح ان کا افسانہ **"وجودِ زن"** قدیم مصر کی اس رسم پر مبنی ہے جسے "ختنہ نسواں" کہا جاتا ہے۔ اس رسم کے تحت عورتوں کے ختنے کیے جاتے تھے اور جن عورتوں کے ختنے نہ کیے جاتے، انہیں سماج میں ناپاک اور مشکوک نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ نیلم نے اس قدیم سماجی روایت کے

ذریعے یہ دکھانے کی کوشش کی ہے کہ عورت صدیوں سے مردانہ سماج کے جبر اور فرسودہ رسوم کا شکار رہی ہے۔ یہ کہانی عورت کے جسم پر معاشرتی کنٹرول اور اس کی آزادی کے خلاف صدیوں سے جاری رویوں کو اجاگر کرتی ہے۔

نیلم احمد بشیر کی انفرادیت یہ ہے کہ وہ اپنے افسانوں میں غیر جانبدارانہ رویہ اپناتی ہیں۔ وہ محض تاریک پہلوؤں کو سامنے نہیں لاتیں بلکہ حقیقت کے روشن رخ کو بھی دکھاتی ہیں۔ مثال کے طور پر وہ جہاں عورت کے مسائل اور معاشرتی جبر کو موضوع بناتی ہیں، وہیں عورت کے صبر، حوصلے، محبت اور قربانی جیسے اوصاف کو بھی پیش کرتی ہیں۔ اسی طرح ان کے افسانوں میں پاکستانی اور امریکی کلچر، جنس، معاشی و معاشرتی مسائل اور عالمی انسانی المیے ایک ساتھ جلوہ گر ہوتے ہیں۔ یہ کثیر الجہتی اور متوازن رویہ ہی نیلم کو دیگر خواتین افسانہ نگاروں سے منفرد بناتا ہے۔ ان کی تحریروں میں نہ صرف فرد کی داخلی کشمکش بلکہ معاشرتی اور تہذیبی سطح پر موجود تضادات بھی پوری شدت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ ان کے افسانے حقیقت سے قریب تر اور قاری پر دیرپا اثر ڈالنے والے محسوس ہوتے ہیں۔

حوالہ جات

۱۔ نیلم بشیر، عام لڑکی، مشمولہ، گلابوں والی گلی، لاہور، سنگ میل پبلی کیشنز، ۱۹۹۱ء، ص:۵۴

۲۔ ڈاکٹر نورین رزاق، پاکستانی خواتین افسانہ نگار، لاہور، دستاویز مطبوعات ۲۰۱۶ء، ص:۳۶

۳۔ فتح محمد ملک، نئے جنم کی بشارت، دیباچہ، گلابوں والی گلی، ص:۸

۴۔ ڈاکٹر عصمت جمیل، اُردو افسانہ اور عورت ملتان، شعبۂ اُردو ذکریا یونیورسٹی، ۲۰۰۱ء، ص:۲۵۴

۵۔ نیلم بشیر انٹرویو VOA اُردو (وائس آف امیریکا) واشنگٹن، مورخہ ۳۰ مارچ ۲۰۱۶ء

۶۔ نیلم بشیر، اکیلی، (مشمولہ) گلابوں والی گلی، ص:۹

۷۔ احمد پراچہ، پاکستانی اُردو ادب اور اہلِ قلم خواتین، اسلام آباد، نیشنل بک فاؤنڈیشن، ۲۰۰۰ء، ص:۲۶۹

۸۔ ڈاکٹر عصمت جمیل، اُردو افسانہ اور عورت، ص:۲۵۴